مقبولِ عام اردو ادب: تعبیر و تصوّر

الطاف حسین*

مقبولِ عام اردو ادب کے تصوّر کی جڑیں اردو زبان کے ابتدائی دور میں ہی تلاش کی جاسکتی ہیں۔ کئی اصنافِ ادب مثلاً گیت، دوہے، ریختہ، پہیلیاں، ڈرامے، افسانے اور داستانیں اردو ادب میں عوامی سطح پر مقبول رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طلسم ہوش ربا اور بوستان خیال جیسی طویل داستانیں بھی بار بار چھپ کر عوام میں مقبول ہوتی رہیں۔[1] کلاسیکی عہد کے مقبولِ عام ادب کو عموماً لوک اردو ادب کا نام دیا جاتا ہے کیوں کہ اس عہد کا مقبول ادب علاقائی زبانوں کے لب و لہجے سے متاثر نظر آتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کلاسیکی عوامی ادب کے اکثر تخلیق کاروں کا سراغ نہیں ملتا، بہت سارے قصص اور گیت وغیرہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے اور ان کے مصنفین کا تعین نہیں کیا جاسکا۔ قدیم اردو ادب خالصتاً عوامی ادب تھا جس کی تمام اصناف عوامی مذاق کے مطابق تھیں۔ بعد ازاں جوں جوں ادب کو عوام الناس کے مذاق سے بالاتر کرنے کی روش پروان چڑھتی گئی کئی ادبی اصناف معدوم ہو کر رہ گئیں۔[2] امیر خسرو سے لے کر سر سید تحریک تک ریختہ، غزل، گیت، داستان، مرثیہ، مثنوی، نوٹنکی، نوحہ، حمد و نعت، اور دیگر ادبی اصناف عوامی سطح پر مقبول رہیں۔[3] عوامی سطح پر مقبولیت حاصل کرنے والی کئی ایک تخلیقات نہ صرف کلاسیکی ادب کا اہم حصہ ہیں بلکہ عالمی ادب میں بھی جگہ پاچکی ہیں۔[4] بعض مقبولِ عام ادبی تخلیقات دکنی کے علاوہ دیگر ہندی آمیز بولیوں میں بھی رائج و مقبول رہیں اس لیے انھیں (پوتھی) Ballad Literature بھی کہا جاتا ہے۔[5] کلاسیکی عوامی (لوک) ادب بھی چوں کہ عام آدمی کا تخلیق کردہ اور عوامی پسند سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ہم اسے مقبولَ عام اردو ادب کی قدیم صورت کہہ سکتے ہیں، اعلیٰ طبقہ بھی نفسیاتی تسکین اور فیشن کے طور پر قدیم عوامی ادب اور دیگر عفنون میں دل چسپی لیتا ہے۔[6]

مقبولِ عام ادب میں علامتی اور فلسفیانہ انداز سے گریز کیا جاتا ہے، عوامی مسائل، سائنسی موضوعات، مافوق الفطرت تصورات اور دیگر معاملاتِ زندگی کو عوامی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ عام آدمی ابنِ صفی، راشد الخیری، ساغر

*پی ایچ ڈی، ریسرچ سکالر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی۔ واٹس ایپ نمبر: ۰۳۴۲۵۳۰۵۸۶۴

صدیقی، محی الدین نواب جیسے مقبولِ عام ادیبوں کو پڑھتا ہے تو اس میں مطالعے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔[۷] بعض ناقدین مقبولِ عام ادب کو لوک ادب سے الگ ادبی جہت کے طور پر پیش کرتے ہوئے اسے پیشہ ور ادیبوں کا تخلیق کردہ ادب قرار دیتے ہیں۔ کسی بھی زبان کا ابتدائی یا قدیم ترین ادب قصہ کہانیوں اور گیتوں پر مشتمل ہوتا ہے اور لوک صورت میں ہی پروان چڑھتا ہے۔ جب قدیم تہذیبوں نے ترقی پا کر شائستہ ادب تخلیق کرنا شروع کیا تو یہ ادب لوک ادب کے مشابہ قدرے ترقی یافتہ ادب بنا، بعد ازاں سماج کے طبقاتی نظام کے زیرِ اثر ادب کی یہ دونوں صورتیں مقبولِ عام ادب اور ادب عالیہ میں تبدیل ہو گئے۔[۸]

مقبولِ عام ادب کو انگریزی میں "Popular Literature" کہا جاتا ہے، لفظ "Popular" لاطینی زبان کے ایک لفظ Populi/ Populus سے ماخوز ہے جس کا مادہ Pop ہے اور اس کے معنی عام عوام یا لوگ ہیں۔ لغوی معنوں میں پاپولر لٹریچر سے مراد ہے، پسند کیا گیا، ایسی چیز جسے بہت سے لوگ پسند کرتے ہوں، محظوظ ہوتے ہوں یا جس کی تائید کرتے ہوں۔[۹] اردو زبان میں پاپولر لٹریچر کی اصطلاح کا ترجمہ مقبولِ عام ادب کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ اسے لوک ادب، سری، جاسوسی، تفریحی، اور کمرشل ادب کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ سادہ الفاظ میں مقبولِ عام ادب سے مراد ایسا ادب ہے جسے لوگوں کی کثیر تعداد پڑھتی اور پسند کرتی ہے، مقبولِ عام ادب عموماً سستے کاغذ پر پیپر بیک کور کے ساتھ شائع ہوتا ہے جس کی بنیادی وجہ کم خرچ کے ساتھ ادب کو عوام الناس تک پہنچانا ہے۔ مقبول عام ادب کے بنیادی مقاصد میں، ادب کی ترویج و ترقی، عوام الناس تک رسائی، وسیع پیمانے پر اشاعت، شہرت، نفع، وغیرہ شامل ہیں۔[۱۰]

اردو ادب میں مقبولِ عام اور ادبِ عالیہ کی بحث کا باقاعدہ آغاز ترقی پسند تحریک کے ساتھ ہوا۔[۱۱] اس سے قبل اردو ادب میں ادبِ عالیہ اور عوامی ادب کی چند ایک مثالیں جعفر زٹلی اور نظیر اکبر آبادی کی صورت میں ملتی ہیں لیکن اس وقت ادبی تفریق کا کوئی واضح تصور موجود نہ تھا، اس لیے کلاسیکی عہد میں عوامی ادب بھی اتنا ہی اہمیت رکھتا تھا جتنا کہ ادبِ عالیہ، ترقی پسند ادیبوں نے ادب برائے زندگی کا نعرہ لگا کر بہت سی ادبی اصناف کا قلعہ قمع کرنے کی کوشش کی، بعد ازاں اس تحریک کو زوال تو آیا لیکن اس کے مضر اثرات نے ادبی حلقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، یہی وجہ ہے کہ تخلیق کاروں اور محققین نے اردو کی کئی ایک اہم ادبی اصناف کو پسِ پشت ڈال دیا۔ لفظ "مقبولیت" کوئی ایسی علامت نہیں ہے جسے ہم ادنیٰ یا کم مایہ سمجھیں، اعلیٰ ادبی حلقوں میں اس لفظ اور خصوصی طور پر عوامی مقبولیت کے عنصر کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جامعاتی اور اعلیٰ ادبی حلقوں میں مقبولِ عام ادب سے ہمیشہ گریز کی روش اپنائی گئی۔[۱۲]

ادبیات کا معاملہ دیگر علوم کی نسبت ذرا مختلف ہے۔ ادب علم کی ایک ایسی قسم ہے جس میں قاری کے لیے معلومات کے ساتھ ساتھ تفریحِ طبع کا سامان بھی مہیا کیا جاتا ہے۔ تفریح ادب کا لازمی جزو ہے۔ اس کے بغیر ادب کو ادب نہیں کہا جا سکتا ورنہ تو شاعری میں ترنم و آہنگ اور نثر میں کہانیت اور ڈرامائی عناصر پر توجہ دینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ دیگر علوم کی طرح ادب کے بھی کمرشل مقاصد ہو سکتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی میں تجارتی انقلاب برپا ہوا ہے وہی پر ادب کو بھی شد و مد کے ساتھ تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے اور اس کی مارکیٹ میں روز بہ روز وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ کمرشل بنیادوں پر ادب کے استعمال سے ہر گز یہ مراد نہیں لینا چاہیے کہ ایسا ادب ادب نہیں یا کم تر درجے کا ادب ہے اور واقعتاً اگر ایسا فرض کر لیا جائے تو شیکسپیئر کی تخلیقات کو کس خانے میں رکھا جائے گا کیوں کہ شیکسپیئر نے جو ادب تخلیق کیا اس میں بھی کمرشلائزیشن کی قدیم صورتوں کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔[13] اسی طرح اگر اردو ادب کی بات کی جائے تو آغا حشر کاشمیری، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر وغیرہ نے کمرشل مقاصد کے تحت ہی ادب تخلیق کیا۔ مرزا غالب نے اپنی شاعری کے بل پر مغل دربار اور ملکہ وکٹوریا کے دربار تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی،[14] اور اسے اپنے رزوگار کا ذریعہ بھی بنایا، اس کے علاوہ کئی ایک شعرا نے اپنی شاعری کو درباروں تک رسائی کے لیے استعمال کیا، حصولِ شہرت کی خواہش بھی در حقیقت کمرشل مقاصد کی تکمیل کا ایک زینہ ہے اور اس سے کوئی بھی ادب مبرّا نہیں ہو سکتا۔ مغربی ادب میں بھی ایک زمانے تک پاپولر اور ادب عالیہ کی تفریق کا معاملہ زیر بحث رہا لیکن اب انگریزی ادب میں مقبولِ عام ادب پر تحقیقی و تنقیدی کتب اور تواریخ بھی لکھی جا رہی ہیں۔ عہدِ حاظر میں مابعد جدیدیت کی لہر (جس میں ظہار رائے کی آزادی کے ساتھ ساتھ کسی بھی نظریے کو حتمی تصور نہیں کیا جاتا) ادب عالیہ اور مقبولِ عام ادب کو ایک قالب میں ڈھال رہی ہے, رفتہ رفتہ ناقدین کی بنائی ہوئی حدود مسدُود ہوتی جا رہی ہیں۔[15] اردو کے عصری مقبولِ عام ادب میں ہاشم ندیم، عمیرہ احمد، اور نمرہ احمد نے اپنے ناولوں میں اس طرح کا امتزاج بہت خوب صورتی سے برتا ہے جس میں گلیمر، فینٹسی، رومان، تصوف، طبقاتی کش مکش اور دیگر معاشرتی مسائل کو سلیقہ مندی سے آپس میں جوڑا گیا ہے۔

جدید دور میں مقبولِ عام اردو ادب کی ترویج و اشاعت میں الیکٹرانک میڈیا بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے بہت سی ادبی تخلیقات جو گوشۂ گم نامی میں تھیں یا مخصوص ادبی حلقوں تک محدود تھیں، الیکٹرانک میڈیا کے طفیل عوام الناس میں مقبول ہوئیں۔ مثال کے طور پر، انارکلی ڈراما الیکٹرانک میڈیا میں نشر ہونے سے قبل پڑھے لکھے ادبی حلقوں تک ہی محدود تھا لیکن فلمائے جانے کے بعد یہ عوامی سطح پر مقبولیت حاصل کر گیا۔ عصرِ حاضر میں ادبی تشہیر و ترسیل کے جدید

ذرائع پر توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے تا کہ ادب اور اس کے ثمرات عام آدمی تک پہنچ سکیں۔[16] الیکٹرانک میڈیا کی اہمیت کو اس بات سے زیادہ واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ فنونِ لطیفہ کے مختلف شعبے جیسے، شاعری، موسیقی، مصوّری، اداکاری، کہانی وغیرہ کا سنگم ہے جس میں فنونِ لطیفہ کی مختلف جہات اکائی کی صورت میں عوام الناس کے سامنے آتی ہیں۔ بسا اوقات گم نام سنجیدہ ادب کے نمونے بھی اس میڈیم کے ذریعے عوام کے شعور کا حصہ بنتے ہیں۔[17] الیکٹرانک میڈیا کے توسُّط سے بہت سے ادیبوں نے عوامی سطح پر شہرتِ دوام حاصل کی، فیض احمد فیض، فراق، جذبی، ابن انشا، اختر شیرانی، ناصر کاظمی، اور بہت سے شعرا کے کلام کو غلام علی، مہدی حسن، نور جہان، عابدہ پروین اور بیگم اختر جیسے گائیکوں نے چار چاند لگا دیے۔ بہت سے شاعروں اور ادیبوں نے اس میڈیم کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں جن میں کیفی عظمیٰ، جانثار اختر، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، شکیل بدایونی، گلزار، ندا فاضلی، جاوید اختر وغیرہ اہم ہیں۔[18]

اردو دنیا میں عوامی ادب کی تعبیر و تشریح میں جو کج روی اختیار کی گئی ہے، اس نے ادب کو گروہوں میں تقسیم کر دیا، ہمارے بعض ناقدین نے ابنِ صفی جیسے بڑے ادیب کو ایک عرصے تک نظر انداز کیے رکھا۔ ایک ایسا ادیب جس کی تخلیقات اور کرداروں کو قریب ایک سو پچاس لوگوں نے نقل کیا ہے اور جو پوری دنیا میں جہاں جہاں اردو بولی جاتی ہے پڑھا جاتا ہے۔[19] بے جا ادبی حد بندیوں کی وجہ سے نئی نسل ادب سے کوسوں دور ہو گئی ہے ایسے میں اگر عوام الناس کو ادب سے جوڑے رکھنے کا فریضہ سر انجام دے رہا ہے تو وہ مقبول عام ادب ہی ہے۔[20] ہمارے بعض قدامت پسند نقاد اب بھی فکشن کی جدید اقسام مثلاً، جاسوسی، مہماتی، سائنس فکشن، سائبر اور اسپیس فکشن، سراغ رسانی اور شکاریات پر مبنی ادب سے صرفِ نظر کرتے اور دامن بچاتے نظر آتے ہیں چوں کہ ان کا تنقیدی شعور فکشن کی ان جدید جہتوں سے نابلد ہے۔ اس لیے یہ یا تو اس معاملے میں چپ سادھ لیتے ہیں یا پھر انھیں رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ماضی میں بعض مغربی نقادوں نے بھی پاپولر لٹریچر کو یا تو یکسر نظر انداز کیے رکھا یا پھر اسے ادب عالیہ سے الگ کر کے کم تر درجے کا ادب ثابت کرنے کے لیے اس کی مخالفت پر مصر رہے۔ ایک طرف بعض نقاد پاپولر لٹریچر کی مخالفت پر کمر بستہ رہے تو دوسری طرف محققین اور ناقدین کی ایک جماعت پاپولر لٹریچر پر تحقیقی و تنقیدی امور سر انجام دیتی رہی اور یوں پاپولر لٹریچر نے مغرب میں اپنی ایک الگ شناخت قائم کر لی۔ مغرب میں عوامی سطح پر مقبول ہونے والے ادب کا دائرۂ کار بہت وسیع ہے اور اس کی ہر صنف پر تحقیقی و تنقیدی کام ہو رہا ہے، جدید فکشن کی کئی ایک اصناف ایسی ہیں جن پر ابھی تک اردو میں تحقیق تو کجا تخلیقی کام بھی نہیں ہو سکا۔

پاپولر انگلش لٹریچر پر مبنی چند ایک تحقیقی و تنقیدی کتب کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

۱۔ وکٹر ای نیو برگ (Victor .E. Neuburg)، *Popular Literature A History and Guide* ۱۹۷۷ء۔

۲۔ بوب ایشلے، (Bob Ashley) *The Study of Popular Fiction,* ۱۹۸۹ء۔

۳۔ ایم۔ تھامس اینگی (M.Thomas Inge) *Hand Book of American Popular Literature ,* ۱۹۸۸ء۔

۴۔ لویس جیمس Loes James (1819 – 1851) *English Popular Literature,* ۱۹۷۶ء۔

۵۔ جان۔ جی۔ کاولٹی (Jhon G. Cawelti)، *Adventure , Mystery , and Romance: Formula Stories As Art and Popular Culture* ۱۹۷۶ء۔

۶۔ ڈیل بیلی (Dale Bailey)، *American Nightmares : The Haunted House Formula in American Popular Fiction*، ۱۹۹۹ء۔

۷۔ لیونارڈ۔ جی۔ ہیلڈریتھ (Leonard G. Heldreth)، *Blood in the Life: Vampire in Literature* ۱۹۹۹ء۔

۸۔ کارل۔ ڈی۔ مالمگرن (Carl. D. Malmgren)، *Antomy of Murder: Mystery, Detective and Crime Fiction*، ۲۰۰۱ء۔

۹۔ جان تھامپسن (Jhon Thompson) *Fiction, Crime , and Empire: Clues, to Modernity and Post Modernism,* ۱۹۹۳ء۔

۱۰۔ تھامس ریڈسن (Thomas Reidson)، *Classic Cult Fiction: (A Companion to Popular Cult Literature)*، ۱۹۹۲ء۔

۱۱۔ ٹونی بینیٹ (Tony Beanet)، *Popular Fiction: Technology, Ideology, production, Reading,* ۱۹۹۰ء۔[۲۱]

ان کتب کے علاوہ بھی اس موضوع پر انگریزی میں عمدہ کتب اور تحقیقی و تنقیدی مقالے لکھے جا چکے ہیں۔

مقبولِ عام ادب میں چوں کہ عصری رجحانات و میلانات اور عوام الناس کی پسند و ناپسند کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔اس لیے الیکٹرانک اور سوشل میڈیا نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، خصوصی طور پر جدید فکشن پوری طرح میڈیا پر غالب رہا ہے۔ عصرِ حاضر میں مغرب میں مقبولِ عام ادب کو تفریحی صنعت کا ایک اہم جزو مانا جاتا ہے۔ تفریحی صنعت

میں اس کی اہمیت کا اندازہ سپر مین، دی ہابٹ، جیمز بانڈ، ہیری پوٹر، ہنگر گیمز، اور آئرن مین جیسی فلموں سے لگایا جا سکتا ہے جو کثیر بجٹ پر تیار کی جاتی ہیں اور ان کی سالانہ آمدنی کروڑوں ڈالرز کو پہنچتی ہے۔[۲۲] جامعاتی سطح پر نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک میڈیا کی ضروریات کے تحت اس کی عملی تعلیم بھی دی جاتی ہے جس میں فکشن ناول، فلمی کہانی، ٹیلی وژن ڈراما، طنز و مزاح اور شاعری جیسی اصناف پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ہندوستان میں پہلی فلم پنڈولک ۱۹۱۲ء، اور پہلی ناطق فلم عالم آراء ۱۹۳۱ء، میں بنائی گئی، ابتدائی دور میں چند ایک فلمیں محیر العقول داستانوں سے اخذ کی گئیں۔ اس کے علاوہ بیش تر فلموں میں مافوق الفطرت عناصر کی بھر مار ہوتی لیکن تکنیکی مسائل کی وجہ سے یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا، داستانوی ادب پر مبنی، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد جیسی رومانوی فلمیں بھی بنائی گئیں۔[۲۳] جاسوسی اور مافوق الفطرت عناصر پر مبنی کہانیوں کو فلمانے کے لیے جدید ٹیکنالوجی، تکنیکی مہارت، اور عمدہ تخلیقی سوچ درکار ہوتی ہے اس لیے تا حال ایسے موضوعات کو پاک و ہند میں تسلی بخش انداز میں پیش نہیں کیا جا سکا۔

سادہ ترین الفاظ میں مقبولِ عام ادب کی تعبیریوں کی جا سکتی ہے کہ یہ ایسا ادب ہے جسے ایک سادہ اور غیر محدود قاری دلی مسرت اور تسکین حاصل کرنے کے لیے منتخب کرتا ہے۔ ایسے قاری کا تعلق معاشرے کے کسی بھی طبقے سے ہو سکتا ہے، شروعات میں انگریزی زبان کا پاپولر ادب عام آدمی کی توجہ کا مرکز بنا اور اٹھارویں صدی عیسوی میں اس میں بچوں کے ادب کا ضافہ ہوا. عام طور پر ایسا ادب غیر مستحکم اور غیر سرکاری مطابع سے شائع ہوتا تھا، ان اشاعتوں میں مذہبی نوعیت کے رسائل بھی شامل ہوتے جو ایک مذہبی طبقہ اپنی خوبیاں دوسرے طبقے تک پہنچانے کے لیے شائع کرتا تھا۔ ایسے رسائل بڑی تعداد میں شائع اور تقسیم کیے جاتے تھے۔ انیسویں صدی میں ادب کی نسبتاً سستی کتابوں کی اشاعت کا رجحان بڑھنے لگا جن میں زیادہ تر سستی کلاسیکی ادب کی کتابوں کی اشاعت شامل تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس عہد کے ''پنی'' شعرا بھی مشہور ہوئے جو اپنی مدد آپ کے تحت آگے بڑھ رہے تھے۔ بعد ازاں انگلستان میں مقبولِ عام ادب کے مطالعے کو کسی حد تک نصابی سرگرمی کے طور پر بھی اپنایا جانے لگا۔ اور اب اس موضوع پر علمی سطح پر بھی خاصا کام ہو رہا ہے۔[۲۴]

متبادل تفریحی اور علمی ذرائع کی بہتات کے باوجود دیگر یورپی اقوام کی طرح امریکی لوگ بھی کتابوں کے رسیا ہیں۔ امریکا میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں دیدہ زیب اور ہلکی کاغذی جلد والی کتب شائع ہوتی ہیں جن میں سب سے زیادہ حصہ مقبولِ عام ادب کا ہوتا ہے جس کی وجہ اس کی مختلف اصناف کی بڑھتی ہوئی مانگ ہے۔ امریکی عوامی کتب خانوں میں مقبولِ عام افسانوی ادب پر مبنی کتب میں روز بہ روز اضافہ ہوتا جا رہا ہے جس میں زیادہ تر مواد اس کی معروف اصناف پر مشتمل ہے جیسا کہ رومان، سائنس فکشن، انوکھے اور جاسوسی ناول، مرڈر مسٹریز، مغربی اور عالمی

تاریخ یا سوانح عمری، پر مبنی فکشن وغیرہ۔ ان میں زیادہ مقبول سائنس فکشن اور جاسوسی ناول ہیں جو کہ امریکی ادب کے مرکزی دھارے میں شامل ہیں۔ نیو یارک ٹائمز کی بیسٹ سیلر کتابوں کی فہرست میں سائنس فکشن پر مبنی ناول اور بین الاقوامی سطح پر مقبول ادبی تخلیقات شامل ہوتی ہیں۔ Kurt Vonnegut کرٹ وونیگوٹ جے۔ آر جیسے امریکی ادیبوں نے سائنس فکشن کو بھی سنجیدہ ادب میں ضم کر دیا ہے جب کہ نورمن میلر (Norman Mailer) نے خونی کہانیوں کو سنجیدگی سے برتا، اور ٹرمین کیپوٹ (Truman Capote) نے ، Cold Blood میں جاسوسی ادب اور سنجیدہ ادب کی جمالیات کو مدغم کر دیا اور اسی طرح پاپولر لٹریچر سنجیدہ ادب کی تفریق میں روز بہ روز کمی واقع ہو رہی ہے۔[۲۵]

مقبولِ عام ادب ہمیشہ سے حیاتِ انسانی کا لازمہ رہا ہے، تاریخ کے ہر دور کا اپنا مقبول ادب ہے۔ قدیم وقتوں سے لے کر زمانۂ حال تک تغیر و تبدل کے باوجود مقبولِ عام ادب کی اہمیت و افادیت انسانی سماج کے ایک اہم پہلو کے طور پر برقرار ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق "مقبولِ عام ادب میں وہ تمام تحریریں شامل ہیں جنھیں عوام الناس پسند کرتے ہیں اور جن کے قارئین کی کثیر تعداد ہوتی ہے۔ اسے اس حوالے سے تخلیقی ادب سے الگ دیکھا جا سکتا ہے کہ ایسے ادب کا بنیادی مقصد تفریح ہوتا ہے اور جو اکثریتی عوام کے لیے لکھا جاتا ہے۔ یہ مقبولیت کے پہلو کے ساتھ کسی بھی ادبی صنف پر مبنی ہو سکتا ہے جیسا کہ شاعری، ڈراما اور ناول وغیرہ گویا مقبولِ عام ادب کا بنیادی مقصد عوامی حلقوں تک رسائی حاصل کرنا اور ان کا پسندیدہ ہونا ہے۔[۲۶]

در حقیقت مقبولِ عام ادب نہ تو ادب سے ہٹ کر کوئی شے ہے اور نہ ہی کم تر ادب، یہ ادب ہی ہے اور اس میں انسانی معاشرے کے عام معمولات کے ساتھ ساتھ نت نئے موضوعات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ ایسے عوامل اور مسائل جو کہ انسانی معاشرے کے روایتی میلانات و معمولات سے بہت مختلف ہوتے ہیں اس لیے روایتی ادب کے ثقہ محقق، نقاد اور قاری کے لیے ایسے ادب کے مطالب و مفاہیم سے متفق ہونا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ اس کے ذہن میں ادب کے حوالے سے جن نظریات نے نمو پائی ہوتی ہے وہ ان کو ایک محدود ادبی تصور کا پابند بنائے رکھتی ہے۔ گویا ادب کے گرد قدامت پسند ادیبوں اور ناقدین نے ایک ایسا دائرہ بنا دیا ہے جس سے باہر نکلنا سنگین ادبی جرم ہے جس کی پاداش میں کسی ادیب کی سوچ، تخیل اور تخلیقی اُپج کو گھٹیا اور بازاری قرار دیا جا سکتا ہے۔ سو لامحالہ بہت سے ادیب روایت پسندوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور مقبول ترین جدید ادب سے صرفِ نظر کرتے ہیں یا پھر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں، لیکن یہ طرزِ عمل ادب کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے اس سے مقبولِ عام ادب کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچ

رہا لیکن سنجیدہ ادب اس سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ پھر بھی عصرِ حاضر کی ادبی فضا میں یہ امید باندھی جاسکتی ہے کہ پاپولر ادب اور ادبِ عالیہ کی تفریق کا رجحان رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔

ہمارے محققین اور ناقدین نے مقبولِ عام ادب پر خاص توجہ نہیں دی۔ ادبی تواریخ میں بھی عموماً مقبول عام ادب اور ادیبوں کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ کئی محققین اور ناقدین نے فکشن کی جدید اصناف اور اسالیب سے گریزاں رہے لیکن اس کے باوجود عصرِ حاضر میں مقبولِ عام ادب کو ادب عوام میں پزیرائی مل رہی ہے۔ اردو ادب میں عوامی ادب اور ادب عالیہ کی تفریق کی پہلی واضح مثال نظیرا کبر آبادی کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ ان کے معاصرین اور بعد کے ادبی حلقوں نے ان کی شاعری کو عوامی اور بازاری کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے کی کڑیاں محمد حسین آزاد کی آب حیات تک جاملتی ہیں۔ پہلے پہل مستشرقین اور بعد میں ترقی پسندوں نے نظیرا کبر آبادی کی شعریات کی ادبی و علمی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اردو کے بعض ادیبوں نے مقبولِ عام ادب پر کچھ اس انداز میں رائے زنی کی ہے کہ اب ہر کوئی اس موضوع بات کرنے سے کتراتا ہے۔[۲۷]

علامہ نیاز فتح پوری نے ابن صفی کے ناولوں کو "اردو ادب کا ناسور" کہہ کر جاسوسی ادب کو نظر انداز کیا۔[۲۸] تو بہت سے تخلیق کاروں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ادب کو چند مخصوص اسالیب اور جہات تک محدود کرنے کی کوشش کی، اور اب ادبی حلقوں میں یہی خیال عام ہے کہ مروجہ حد بندیوں سے باہر نکلنے والا ادب عالیہ کے دائرے سے خارج ہو گا، لیکن مابعد جدید عہد میں دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح ادب کے تصوّر میں بھی وسعت پیدا ہو رہی ہے اور مروجہ ادبی سانچوں سے انحراف کا چلن عام ہو رہا ہے۔ اردو ادب میں نظیرا کبر آبادی، ابن صفی، غالب، اور کتنی ایسی مثالیں ہیں جو اپنے عہد کی مروجہ ادبی حد بندیوں سے انحراف کے باوجود مقبولِ عام بھی ہیں اور ادبِ عالیہ کا بھی حصہ ہیں۔

کوئی بھی روشن خیال اور صاحبِ نظر ادیب ادب کی مقبولیت، عوام کی پسند و ناپسند، ادب کی کمرشلائزیشن اور عصری تقاضوں کا انکار نہیں کر سکتا۔ ایک گائیک، اداکار، مصور، مجسمہ ساز اگر اپنے فن کو روزگار کا ذریعہ بنا سکتا ہے تو ایک ادیب اپنے فن کو روزگار کا ذریعہ کیوں نہیں بنا سکتا اور اگر بنا سکتا ہے تو اس کو مارکیٹ ویلیوز اور لوگوں کی ڈیمانڈ کا بھی لازماً خیال رکھنا پڑے گا، اگر کسی لکھنے والے میں تخلیقی صلاحیتیں موجود ہیں تو وہ تمام تر مادی معاملات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بھی عمدہ ادب تخلیق کر سکتا ہے۔ آج کل ہر طرف الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کا دور دورہ ہے۔ ایسے میں ادیب پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو میڈیا کے ذریعے اپنے نفع اور شہرت کے ساتھ ساتھ ادب کی ترویج

واشاعت کے لیے بروئے کار لائے، نوجوان نسل اس امر سے بخوبی واقف ہے اور سرگرمِ عمل بھی ہے لیکن ہمارے اکثر ناقدین عہدِ حاضر کے ادبی میلانات اور تقاضوں سے پہلو تہی کرتے نظر آتے ہیں۔

انجینئر راشد اشرف، اقبال احمد، اظہار عثمانی، مشتاق احمد قریشی، ارتضٰی کریم، ڈاکٹر وسیم المحمدی، اقبال خورشید، شکیل عادل زادہ، اظہار اثر، بسم اللہ نیاز احمد، اور دیگر محققین و ناقدین نے مقبول عام اردو ادب کے ضمن میں بہت سے شان دار کام کیے ہیں، مقبولِ عام ادب کی تحقیق و تدوین کے حوالے سے انجینئر راشد اشرف صاحب کی خدمات اہم ہیں۔ انھوں نے مقبولِ عام اردو ادب کی تحقیق و تنقید کے ساتھ ساتھ تدوین کا بیش قیمت کام بھی سرانجام دیا ہے۔ ادب کا وسیع فکری و فنی تصور رکھنے والے محققین و ناقدین مقبولِ عام ادب کی اہمیت و افادیت کے معترف ہیں، اور اس بارے میں اپنے معرُوضات بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے جاسوسی ادب کے بارے میں رائے دی ہے کہ:

> جاسوسی ناول بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنا کہ دوسرا ادب۔ ابنِ صفی واحد جاسوسی ناول نگار تھے جن پر یہ فن شروع ہو کر انہی پر ختم ہو گیا تھا۔ ان سے میری ایک ملاقات بھی ہوئی تھی۔ میرے چھوٹے بیٹے کو جنون کی حد تک ابنِ صفی کو پڑھنے کا شوق تھا۔ میں نے ابنِ صفی کو پڑھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ راشد اشرف جیسے نئے لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ وہ ہمارے مستقبل کا حال ہیں اور ہمارا حال ماضی بن جائے گا۔ ابنِ صفی: شخصیت اور فن کی اشاعت پر میں راشد اشرف کو مبارک باد دیتا ہوں۔[۲۹]

اردو کے مقبولِ عام ادب میں خواتین کا بھی بڑا حصہ ہے خصوصاً رومانوی اور گھریلو موضوعات پر خواتین نے بیش قیمت ادب تخلیق کیا۔ بیسویں صدی کے نصف سے اختتام تک بے شمار خواتین سامنے آئیں جنھوں نے عشقیہ اور گھریلو موضوعات پر ناول تخلیق کیے اور عوامی مقبولیت حاصل کی ان خواتین کی اکثریت ڈائجسٹوں کے لیے کہانیاں لکھتی رہیں، ڈائجسٹ اس زمانے میں ایک طرح کا عوامی ادبی میڈیم تھا۔ اس لیے ایسی ناول نگاروں کو جلد ہی مقبولیت حاصل ہو جاتی۔ ڈاکٹر سلیم اختر کا اس حوالے سے کہنا ہے:

> گزشتہ چار دہائیوں سے خواتین ناول نگاروں کی ایک نئی پود جنم لے چکی ہے چناں چہ اے آر خاتون، زبیدہ خاتون، فاطمہ جبین، رضیہ بٹ، عائشہ جمال، سلمٰی کنول اور حمیدہ جبین وغیرہ کے اس سلسلے میں نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان لکھنے والیوں کا زندگی اور ادب کے بارے میں ایک مخصوص زنانہ تصور ہے، کبھی سیدھی سادھی اور کبھی فلمی انداز کی کہانی، نیم شاعرانہ اسلوب،

نیم پختہ جذبات، اور زندگی کے بارے میں خام قسم کا رومانی انداز نظر ان سب کی مشترکہ خصوصیت ہے۔[۳۰]

اردو کے جاسوسی ادب کی ترقی میں ظفر عمر، تیرتھ رام فیروزپوری، مظہر الحق علوی، اکرم الہ آبادی، جی ایس عالم اور دیگر ادیبوں نے اہم کردار ادا کیا جن کی طبع زاد جاسوسی کہانیاں اور تراجم نے عوام الناس کی توجہ حاصل کی۔ ابن صفی کے جاسوسی ناولوں نے ادبی دنیا میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی اور مستقبل کے لکھاریوں کی ایک بڑی جماعت نے ان کے اسلوب اور کرداروں کو اپنا کر عوامی مقبولیت حاصل کی، ابنِ صفی کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں۔

> اگرچہ ابنِ صفی کو ثقہ ناقدین نے کبھی ادیب نہ گردانا مگر تقریباً اڑھائی سو ناولوں کے مصنف سے صرفِ نظر بھی ممکن نہیں۔ جاسوسی اور فنٹسی کے امتزاج سے وہ مسلسل سسپنس پیدا کرنے میں کامیاب رہتا ہے اور اسی لیے ہر عمر اور مذاق کے قارئین میں بے حد مقبول تھا۔ اگر وہ یورپ میں ہوتا تو اسے وہاں آئین فلیمنگ کے پائے کا ناول نگار سمجھا جاتا اور اس کا کرنل فریدی جیمز بونڈ ۰۰۷ سے کم مقبول نہ ہوتا اور کچھ ایسا ہی عالم کیپٹن حمید اور عمران جیسے کرداروں کا ہوتا۔ ان کا کردار ادا کرنے والے اداکاروں نے شون کازی جیسی مقبولیت حاصل کی ہوتی۔ ماضی کا ایک اور مقبول ناول نگار نسیم حجازی تھا جس کے اسلامی تاریخی ناولوں نے قارئین کا وسیع حلقہ بنالیا تھا۔ ان کا بھی ناول کے سنجیدہ مباحث میں تذکرہ نہیں ہوتا اور اسی سے نقدِ ادب کا یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عوامی مقبولیت کے لیے قلم کار / شاعر کا ناقدین کا پسندیدہ ہونا لازم ہے یا ان کی آشیر باد کے بغیر بھی وہ کامیاب سمجھا جاسکتا ہے۔[۳۱]

اردو ادب کے بعض ناقدین ہمیشہ سے یہ روش رہی ہے کہ وہ ابتداً عوامی سطح پر مقبولیت حاصل کرنے والے ہر ادیب اور شاعر کو رد کرنے پر تل جاتے ہیں لیکن چوں کہ اچھا ادب کسی مخصوص طبقے کی پشت پناہی اور آشیر باد کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس کے بطن میں موجود تخلیقی جواہر خود ہی رفتہ رفتہ عوام الناس کے شعور کا حصہ بنتے جاتے ہیں اور پھر سب ہی اس کی آفاقیت کو تسلیم کرنے لگ جاتے ہیں۔ ابن صفی کے ساتھ بھی اردو ادب میں یہی معاملہ پیش آیا، ابتداء میں ان کی تیزی سے پھیلتی شہرت سے خائف ہو کر بعض ناقدین نے ان کو نظر انداز کر دیا لیکن پھر رفتہ رفتہ سب ہی ابنِ صفی کی خدمات اور قدر و منزلت کو تسلیم کرنے لگے۔ اب عمومی اور جامعاتی سطح پر پاک و ہند میں ان پر تیزی سے تحقیقی و تنقیدی کام ہو رہا ہے۔

جامعاتی سطح پر ابنِ صفی پر ہونے والے کاموں میں سے چند ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

خورشید احمد وٹو نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ۱۹۹۷ء میں ابن صفی کی ادبی خدمات کے موضوع پر ایم فل کا مقالہ لکھا۔ محمد یاسین نے جامعہ کراچی سے ۲۰۱۲ء میں انگریزی میں *The Representation of European Society in the Selected Novels of Ibn E Safi* لکھ کر ایم فل مکمل کیا۔ پروفیسر شبنم امان نے وفاقی اردو یونیورسٹی سے ۲۰۱۶ء میں اپنے مقالے کا آغاز کیا جس کا موضوع جاسوسی ادب کی تاریخ اور ابن صفی کا مقام ہے۔

ہندوستان میں ابنِ صفی پر پہلا مقالہ ۱۹۶۵ء میں مس نظام نامی خاتون نے حمیدیہ کالج بھوپال سے لکھا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ سے نوشین رحمان نے انگریزی میں *Construction of an Indian Detective Hero in Ibne Safi 'Novels* کے موضوع پر اپنا مقالہ قلم بند کیا۔

اسی طرح ہندوستان سے انقلاب ڈیلی کے سب ایڈیٹر، قطب الدین شاہد نے ابن صفی کے ناولوں میں اسلوب اور تیکنیک کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا، ایک اور پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ ابن صفی کے ناولوں کا تحقیقی جائزہ کے نام سے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے شروع کیا گیا ہے۔[۳۲]

مقبولِ عام ادب لوک ادب کی صورت میں ابتدا ہی سے انسانی شعور کا حصہ بنتا چلا آرہا ہے۔ ابتدائی زمانے کا لوک ادب سمعی قصوں کہانیوں اور شاعری کی صورت میں سینہ در سینہ نسلوں میں منتقل ہوتا رہا۔ انسانی تہذیب و معاشرت کی ترقی کے ساتھ ساتھ لوک ادب بھی ترقی پاتا رہا اور اس کے موضوعات اور اسالیب کا دائرۂ کار روز بہ روز وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اردو کا مقبولِ عام ادب بھی اسی طرح کی صورتِ حال سے گزرتا ہوا بیسویں صدی میں اپنی شناخت بنانے لگا، اس صدی کی مختلف ادبی تحریکوں نے اردو ادب میں بھی مختلف طبقات کو جنم دیا اور مقبولِ عام ادب عوام الناس یا عام آدمی کا ادب کہلایا جانے لگا۔ ۱۹۷۰ء تک آتے آتے مقبولِ عام ادبی رسائل (ڈائجسٹ) کا رجحان بڑی تیزی سے فروغ پانے لگا اور اس رجحان کے زیرِ اثر مقبولِ عام ادب تخلیق کرنے والے کئی لکھاری ابھر کر سامنے آئے اور مقبولِ عام ہوئے۔[۳۳]

چوں کہ ہماری تہذیبی، فکری اور معاشرتی ترقی کا گراف مغربی ممالک سے بہت نیچے ہے۔ اس لیے ادبی تحقیق و تنقید اور نشر و اشاعت کے میدان میں بھی ہم ان سے بہت پیچھے ہیں۔ مغربی ممالک میں سائنس فکشن، جاسوسی، مابعد طبیعیاتی اور ماورائی تصورات پر مبنی ادب کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اس پر بے شمار معیاری فلمیں، ڈرامے، اور ڈاکیومینٹریز بن رہی ہیں جو پوری دنیا میں بے حد مقبول ہیں۔ ہمارے ہاں الیکٹرانک میڈیا میں مقبولِ عام ادب کے

رومانی اور تصوف پر مبنی تخلیقات پر ہی کام ہو رہا ہے۔ اس کی بنیادی وجوہات میں معاشی اور معاشرتی مسائل، ٹیکنالوجی کا فقدان، اور اجتماعی سوچ میں قدامت پسند رجحانات کا غلبہ ہے۔ ہمارے ادب میں بھی جاسوسی، ماورائی اور سائنس فکشن کی کمی نہیں ہے لیکن فی الحال ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ایسے تصورات کو الیکٹرانک میڈیا کی زینت بنا سکیں کیوں کہ ایسے کاموں کے لیے بہت بڑے بجٹ، عمدہ تخلیقی سوچ اور جدید ترین ٹیکنالوجی کی ضرورت پڑتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ابنِ کنول، داستان: ایک پاپولر صنف، مشمولہ: 'اردو میں پاپولر لٹریچر: روایت و اہمیت'، مرتبہ، ارتضیٰ کریم، اظہار عثمانی، دوسرا ایڈیشن (دہلی: اردو اکادمی، ۲۰۱۵ء) ص ۸۶

۲۔ یوسف سرمست، قدیم دکھنی اردو ادب میں عوامی عناصر، مشمولہ: 'اردو میں لوک ادب'، مرتبہ، قمر رئیس (نئی دہلی: دی لکشمی پریس، ۱۹۹۰ء) ص ۴۵

۳۔ ایضاً، ص ۴۶

۴۔ ایضاً، ص ۵۱

۵۔ ایضاً، ص ۵۲

۶۔ عتیق اللہ، پاپولر کلچر اور ادب، مشمولہ: 'اردو میں پاپولر لٹریچر: روایت و اہمیت'، مرتبہ، ارتضیٰ کریم، اظہار عثمانی، (دہلی: دوسرا ایڈیشن، اردو اکادمی، ۲۰۱۵ء) ص ۴۴

۷۔ ایضاً، ص ۴۵

۸۔ ڈاکٹر شکیل جہانگیری، اردو کی عوامی روایت (چہاربیت کے حوالے سے)، (دہلی: فائن آفسیٹ ورکس، اردو بازار، ۱۹۹۹ء) ص ۳۱۔ ۳۲

۹۔ http://www.dictionary.com /definition/popular.06-02-2021

۱۰۔ ایم۔ تھامس انگے (M.Thomas inge)، *Hand book of American popular literature*، مرتبہ (نیو یارک، گرین ووڈ پریس، ۱۹۸۸ء) ص ix

۱۱۔ ارتضیٰ کریم، اظہار عثمانی، مرتبہ، اردو میں پاپولر لٹریچر: روایت و اہمیت، (دہلی: دوسرا ایڈیشن، اردو اکادمی، ۲۰۱۵ء) ص viii

۱۲۔ مولا بخش، پاپولر لٹریچر کی روایت، مشمولہ: 'اردو میں پاپولر لٹریچر: روایت و اہمیت'، ص ۲۷

۱۳۔ ارتضیٰ کریم، اظہار عثمانی، ص xiv

۱۴۔ ڈاکٹر سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، (لاہور: تیسواں ایڈیشن، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء) ص ۲۲۰

۱۵۔ ارتضیٰ کریم، اظہار عثمانی، ص ix

۱۶۔ عتیق اللہ، ص ۴۲

۱۷۔ راشد انور راشد، پاپولر لٹریچر اور فنونِ لطیفہ، مشمولہ: 'اردو میں پاپولر لٹریچر: روایت و اہمیت'، ص ۶۹

۱۸۔ راشد انور راشد، ص ۷۰

۱۹۔ https://www. ur.m.wikipedia.org, 09-02-2021، عمران سیریز کے مصنفین۔

۲۰۔ ارتضیٰ کریم، اظہار عثمانی، ص ix

۲۱۔ Popular Fiction: عنوان، http://www.biblovault.org/bv.titles.epl?query=popular, 10-02-2021

۲۲۔ محمد فیصل، ابنِ صفی: شخصیت اور فن (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۱۷ء) ص ۳۴

۲۳۔ رشید انجم، ادب سے فلم تک (بھوپال: ائر پرنٹرس، اتوراہ، ۲۰۱۷ء) ص۹

۲۴۔ وکٹر۔ای۔ نیوبرگ (Victor. E. Neuburg)، *Popular Literature A History and Guide* (نیو جرسی: دی ووبرن پریس، ۱۹۷۷) ص۱۲۔۱۳

۲۵۔ ایم۔ تھامس انگے، ص ix

۲۶۔ منگرول توفیق محبوب، *Popular Fiction Some Theoretical Perspectives*، مشمولہ: Epitome: International Journal of Multidisciplinary Research , vol.4, issue7، جولائی ۲۰۱۸ء، ص۳۸۔۳۹؛ http://www.epitonejournals.com

۲۷۔ ڈاکٹر سلیم اختر، ص۲۲۰

۲۸۔ راشد اشرف، انجینئر، ابنِ صفی: شخصیت اور فن، (کراچی: اٹلانٹس پبلی کیشنز، دوسرا ایڈیشن، جولائی ۲۰۱۶) ص۱۹۷

۲۹۔ ایضاً، ص، بیک کور

۳۰۔ ڈاکٹر سلیم اختر، ص۵۱۹۔۵۲۰

۳۱۔ ایضاً، ص۵۲۰

۳۲۔ راشد اشرف، انجینئر، ص۲۰۸تا۲۰۹

۳۳۔ محمد طفیل، ابنِ صفی: شخصیت اور فن، پاکستانی ادب کے معمار۱۲۹ (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۱۷ء) ص۳۳۔۳۴

Abstract

Usually, Popular literature considered as common man literature, but in fact it has no boundaries of audience. Popular literature has been available in every era, all languages and classes of society. In the west public literature is given much importance and progressed vastly by using modern entertainment industry sources, but in Urdu literary circles it had always been ignored or sluggishly discussed and no efforts have been taken to understand the relevance of literature, people, and mass media. Therefore, the highly educated literary circle was cut off from public literature and Urdu literature remains divided into sections. In this article in the historical background and research perspective the interpretation of popular Urdu literature will be presented so that the negative attitude towards popular Urdu literature could be refuted.

Keywords: Popular Literature, Common man, Concept, entertainment Industry, Literary Circles, Mass media